© rasailojaraid.com

آرا وافکار

ڈاکٹرمحی الدین غازی*

اردو تراجم قرآن پر ایک نظر

مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی کے افادات کی روشنی میں (۱)

اس مضمون میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا اہم اور عظیم کام کرنے والوں کی تحسین میں کچھ رقم کیا جائے کہ اتنی عظیم خدمت مختلف شخصیات کے ذریعہ جس قدر رہمت واہتمام سے انجام دی گئی، وہ محتاج بیان وستائش نہیں ہے۔

پیش نظر تحریر میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا کام بہت ضروری مگر نازک عمل ہے، اس میں غلطی کے امکانات کو کم سے کم کرتے رہنے کی مسلسل کوشش ضروری ہے، قرآن اللہ کا کلام ہے، تاہم اس کلام کا ترجمہ ایک انسانی کوشش ہوتی ہے، جس میں غلطیوں کا امکان ہمیشہ باقی رہتا ہے، اسی لئے جو ترجمہ جتنا زیادہ مشہور ومتداول ہے اس کا بار بار گہرائی اور باریک بینی سے جائزہ لیتے رہنا بھی اسی قدر زیادہ ضروری ہے۔ اس جائزہ میں نہ کسی طرح کا احترام مانع ہونا چاہئے اور نہ کوئی نسبت حائل ہونی چاہئے، راقم کی رائے میں ہونا تو یہ چاہئے کہ ترجمہ قرآن کا کام اجتماعی طور پر اکیڈمی کی سطح پر اور متعدد بار متعدد ماہرین لغت کی نظر سے گذرنے کے بعد قابل اشاعت سمجھا جائے، اور اشاعت کے بعد بھی نظر ثانی کا کام جاری رہے۔ لیکن بوجوہ تراجم قرآن کے ساتھ ایسا اہتمام نہیں ہوسکا۔ عام طور سے ہر ترجمہ قرآن ایک انفرادی کوشش رہی ہے، اور اس لئے غلطیوں کا امکان کسی نہ کسی حد تک ہر ترجمہ میں پایا جاتا ہے۔

تراجم قرآن کے جائزوں کے دوران یہ بات بھی سامنے آئی کہ بسا اوقات ایک غلطی شروع کے کسی مترجم سے ہوئی اور وہ آگے بھی نقل ہوتی رہی، اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ ابتدائی دور کے مترجمین نے غلطی نہیں کی اور وہ بعد میں درآئی۔

راقم کا مقصود غلطیوں کو نمایاں کرنا نہیں، بلکہ ترجموں کے تقابلی مطالعہ کی افادیت دکھانا ہے، اور ترجمہ کے عمل میں نظر ثانی اور اجتماعی کاوش کی اہمیت پر زور دینا ہے، کہ فقہی مسائل میں اجتماعی اجتہاد جس قدر ضروری ہے، اس سے زیادہ

---

*ہیڈ آف ریسرچ، دارالشریعہ، متحدہ عرب امارات۔ رکن مجمع فقہاء الشریعہ، امریکا۔
mohiuddin.ghazi@gmail.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت ترجمہ قرآن میں اجتماعی مساعی کی ہے۔

تقابلی مطالعہ بڑی حد تک یہ تاثر بھی قائم کرتا ہے کہ بیشتر مقامات پر اگر بعض مترجمین سے کوئی چوک ہوئی ہے تو دوسرے مترجمین کے یہاں اس چوک کا تدارک کرلیا گیا ہے۔اس مختصر مقالہ میں کچھ مثالوں کے ذریعہ مختلف نوعیت کی غلطیوں کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس مضمون کی تیاری میں سب سے اہم حصہ عم محترم مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی حفظہ اللہ کے افادات کا ہے جنہیں تفہیم القرآن اور تدبر قرآن کے ریویو کے دوران نوٹ کرنے کا موقعہ ملا۔ زیرنظر تحریر میں جن غلطیوں کی طرف نشان دہی کی گئی ہے وہ عموماً مذکورہ دونوں ترجموں میں پائی جاتی ہیں۔

(۱) کبھی ضمیر غائب کا مرجع متعین کرنے میں غلطی ہوجاتی ہے۔

☆ أُوْلَئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ۔ (الکھف: ۳۱)

متعدد مترجمین نے اس آیت کا یوں ترجمہ کیا: ’’ان کے لئے سدا بہار جنتیں ہیں، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی‘‘۔

اس ترجمہ کی رو سے جنتوں کے یا بعض تراجم میں جنتوں میں ان کے محلوں کے نیچے نہریں بہنے کا بیان ہے۔ جبکہ آیت میں اہل جنت کے نیچے نہریں بہنے کی بات ہے، کیونکہ تَحْتِهِمُ میں ضمیر ’ھم‘ ہے جو اہل جنت کی طرف ہی لوٹ سکتی ہے، اگر ضمیر ’ھا‘ ہوتی تو جنتوں کی طرف لوٹتی۔

شاہ عبدالقادر کے ترجمہ میں اس کا خیال کیا گیا ہے، ان کا ترجمہ ہے: ’’ایسوں کو باغ ہیں بسنے کے، بہتی ان کے نیچے نہریں‘‘۔ جوناگڑھی نے بھی ایسا ہی ترجمہ کیا: ’’ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی‘‘۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ قرآن میں مذکورہ ذیل دو اور مقامات پر بھی جنتیوں کے نیچے نہریں بہنے کا ذکر ہے، اور وہاں جنت کا ذکر نہیں صرف جنتیوں کا ذکر ہے، یعنی قطعی طور سے اہل جنت کے نیچے نہریں بہنا مراد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ۔ (یونس: ۹)

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الأَنْهَارُ۔ (الاعراف: ۴۳)

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ جنت کے نیچے نہریں بہنے کا مطلب سمجھ میں آتا ہے، گرچہ اس کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ جنت اوپر ہوگی اور نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جنت میں درختوں کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، اہل جنت کے نیچے نہریں بہنے سے کیا مراد ہے، اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ جس طرح قرآن کے بعض مقامات پر جنت کے نیچے نہریں بہنے کا ذکر کیا گیا اور اس سے جنت کے حسن و جمال کو ظاہر کیا گیا، اسی طرح اہل جنت کی خوشحالی ظاہر کرنے کے لئے مذکورہ مقامات پر خود ان جنتیوں کے نیچے نہریں بہنے کا ذکر کیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ فرعون نے جب موسی کے مقابلے میں اپنی خوشحالی اور اقتدار میں اپنی برتری ظاہر کرنا چاہی تو یہی بات کہی۔ اس نے کہا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَهَذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِيْ مِن تَحْتِيْ۔ (الزخرف:۵۱)

(اور یہ نہریں میرے نیچے بہتی ہیں۔)

(۲) کبھی نحو کے کسی قاعدے کو برتنے میں غلطی ہو جاتی ہے۔

☆ قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَاداً لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَداً۔ (الکھف: ۱۰۹)

اس کا ترجمہ عام طور سے مترجمین نے یوں کیا ہے: ''اگر میرے رب کی نشانیوں کو قلم بند کرنے کے لئے سمندر روشنائی بن جائے تو میرے رب کی نشانیوں کے ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا، اگر چہ ہم اس کے ساتھ اس کے مانند اور سمندر ملا دیں''۔

اس میں زمانہ مستقبل کا ترجمہ کیا گیا ہے، حالانکہ لو شرطیہ کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ وہ زمانہ ماضی کے لئے آتا ہے، خواہ جملہ شرط میں فعل ماضی ہو یا فعل مضارع ہو۔

قاعدہ کی رو سے درست ترجمہ یوں ہوگا: ''اگر میرے رب کی نشانیوں کو قلم بند کرنے کے لئے سمندر روشنائی بن جاتا تو میرے رب کی نشانیوں کے ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جاتا، اگر چہ ہم اس کے ساتھ اس کے مانند اور سمندر ملا دیتے''۔

(۳) کبھی کسی لفظ کے معنی کے سلسلے میں تساہل ہو جاتا ہے۔

☆ سورۃ الناس اور سورۃ الفلق اور دیگر مقامات پر متعدد مترجمین نے اُعوذ کا ترجمہ کیا ہے: ''میں پناہ مانگتا ہوں''، حالانکہ پناہ مانگنے کے لئے استعاذہ آتا ہے، کچھ مترجمین نے ''پناہ میں آتا ہوں''، اور ''پناہ لیتا ہوں'' کیا ہے، لفظ کے لحاظ سے یہی ترجمہ درست ہے۔ بعض مترجمین نے ''پناہ میں آیا''، یعنی ماضی کا ترجمہ کیا ہے، جبکہ یہاں فعل ماضی نہیں ہے۔

(۴) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہو سکتے ہیں، لیکن مترجم سے سیاق کے لحاظ سے مناسب معنی اختیار کرنے میں لغزش ہو جاتی ہے۔

☆ إِنَّ اللّهَ لاَ يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاءُ۔ (النساء: ۴۸)

☆ إِنَّ اللّهَ لاَ يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۔ (النساء: ۱۱۶)

بعض مترجمین نے ترجمہ کیا: ''اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں کرتا، اس کے ماسوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لئے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے''۔

شاہ عبدالقادر کا ترجمہ ہے: ''اور بخشتا ہے اس سے نیچے جس کو چاہے''۔

دون کا ترجمہ اس کے سوا بھی ہو سکتا ہے، اور اس سے کمتر بھی ہو سکتا ہے، دوسری نصوص کی روشنی میں کم تر کا ترجمہ درست ہے۔

صحیح ترجمہ یہ ہوگا: ''اللہ شرک کو معاف نہیں کرتا۔ اس سے کمتر درجہ کے جو گناہ ہیں وہ جس کے لئے چاہتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاف کر دیتا ہے''۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بعض گناہ شرک سے بھی بڑے ہوتے ہیں، جیسے خدا کے حضور کبر شرک سے بڑا گناہ ہے، ابلیس کا گناہ شرک نہیں ہے، اس کے لئے قرآن مجید میں استکبر کا لفظ آیا ہے۔

☆ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ۔ (الفیل:۵)

''مَّأْكُولٍ'' کے دو معنی ہو سکتے ہیں، کھائی ہوئی چیز، یا کھانے کی چیز۔

عام طور سے مترجمین نے آیت کے اس ٹکڑے کا ترجمہ کیا ہے: ''کھائے ہوئے بھس کی طرح''۔

ترجمہ بالا پر اشکال یہ آتا ہے کہ کھائے ہوئے بھس سے کیا مراد ہے، کھانے کے بعد تو بھس گوبر بن جاتا ہے، سیاق کے لحاظ سے مناسب یہ ہے کہ یہاں ماکول کا ترجمہ ''کھایا ہوا'' کے بجائے ''کھانے کے قابل'' کیا جائے، ترجمہ ہوگا: ''کھانے کا بھس بنا کر رکھ دیا''۔ محمد فاروق خان کے ہندی ترجمہ میں ہے: ''جیسے کھانے کا بھوسا ہو''۔

(۵) دو ملتے جلتے الفاظ کے درمیان باریک فرق میں تساہل بھی غلطی کا سبب بن جاتا ہے۔

☆ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ۔ (التکاثر:۸)

''النَّعِيمِ'' کا ترجمہ عام طور سے لوگ نعمت کر دیتے ہیں، حالانکہ نعمت اور نعیم میں فرق ہے۔ نعمت کے لئے عربی میں ''نعمة'' آتا ہے جس کا مطلب ''اللہ کی بخشی ہوئی چیزیں'' ہوتا ہے، جبکہ نعیم کا مطلب ہوتا ہے ''آرام و آسائش''۔ بخشش اور آسائش میں جو فرق ہے، وہ زبان کا ذوق رکھنے والے آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

شاہ عبدالقادر نے اس آیت میں آرام ترجمہ کیا ہے، سورہ یونس آیت ۹ رمیں بھی جنات النعیم کا ترجمہ ''باغوں میں آرام کے'' کیا ہے۔ لیکن مائدہ ۶۵ رمیں جنات النعیم کا ترجمہ نعمت کے باغوں کیا ہے۔

سورہ تکاثر میں ''نعیم'' سے مراد آسائش ہے اس کی تائید سورہ انبیاء کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

لا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَى مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسَاكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ۔ (الانبیاء: ۱۳)

جو مفہوم ''مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ'' کا ہے تقریباً وہی نعیم کا بھی ہے۔ یعنی آرام و آسائش کی وہ حالت جو اس دنیا میں حاصل رہی۔

☆ فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ۔ (الفجر:۱۵)

آیت مذکورہ میں ''نَعَّمَهُ'' کا لفظ آیا ہے جس کا ترجمہ عموماً نعمت دینے سے کیا گیا ہے، دراصل نعم نعیم کے لئے ہوتا ہے، اور نعمت کے لئے انعم ہوتا ہے، آیت مذکورہ میں نعمہ کا ترجمہ آسائش دینے سے کیا جائے گا۔

(۶) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی آیت میں ضمیر کا استعمال ہوتا ہے، اور مترجم اپنی تفسیر کے مطابق ضمیر کے بجائے ضمیر کا مرجع ذکر کر دیتا ہے، یہ طریقہ درست معلوم نہیں ہوتا، اس سے قاری کے غور و فکر کے وہ امکانات محدود ہو جاتے ہیں جو خود آیت نے فراہم کئے تھے۔

☆ فَنَادَاهَا مِن تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي۔ (مریم:۲۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا ترجمہ ہوگا: ''پس اس نے اس کے نیچے سے اسے آواز دی کہ مغموم نہ ہو''۔ جیسا کہ شاہ عبدالقادر نے کیا ہے کہ: پھر آواز دی اس کو اس کے نیچے سے کہ غم نہ کھا۔

بعض مترجمین نے ترجمہ کیا: ''پس (کھجور کے) نیچے سے فرشتہ نے اس کو آواز دی کہ مغموم نہ ہو''۔

اگر آیات پر غور کیا جائے تو یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں مریم کے نیچے سے اس کو آواز دی اور کہا کہ مغموم نہ ہو۔ اور یہی مفہوم زیادہ صحیح لگتا ہے، کیونکہ عیسیٰ کی اس ندا کے بعد ہی مریم کو معلوم ہوا کہ عیسیٰ بولتے ہیں، اور اسی لئے انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں کے سوالوں کے جواب میں عیسیٰ کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ اگر ترجمہ میں ضمیر کی جگہ فرشتہ ذکر کر دیا جائے تو قاری کے لئے دوسرے امکان پر سوچنے کا موقعہ ختم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہ امکان آیت کے الفاظ خود فراہم کر رہے ہیں۔ ہاں اگر قاری کی سہولت پیش نظر ہے تو ضمیر کو ذکر کر کے اس کا مرجع قوسین میں ذکر کر دینا چاہیے۔

(۷) بسا اوقات فعل کے بعد آنے والا حرف فعل کے معنی کو تبدیل کر دیتا ہے۔ مترجم کی نگاہ کبھی اس تبدیلی کا خیال کرنے میں چوک جاتی ہے۔ ذیل کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

☆ وَقَالُواْ مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِن آيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ۔ (الاعراف: ۱۳۲)

☆ قَالُواْ يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ۔ (هود:۵۳)

☆ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ۔ (يونس:۷۸)

☆ فَمَا آمَنَ لِمُوسَى إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّن قَوْمِهِ۔ (يونس:۸۳)

ایمان کے ساتھ جب ''باء'' آتا ہے تو مطلب ہوتا ہے اس پر ایمان لانا جس کا ''باء'' کے بعد ذکر ہے جیسے آمنت باللہ۔ اور جب لام آتا ہے تو مطلب ہوتا ہے اس کی ''بات ماننا'' جس کا لام کے بعد ذکر ہے۔ مذکورہ بالا آیتوں میں لام آیا ہے، اس لئے چاروں جگہ ترجمہ ''بات ماننے'' کا ہونا چاہئے، ترجمہ نگاروں میں سے بعض نے ایسے سارے مقامات پر مذکور نبی پر ''ایمان نہ لانا'' یا اس کو ''نہ ماننے'' کا ترجمہ کیا ہے۔ بعض مترجمین نے کچھ مقامات پر اس کی رعایت کی ہے اور بعض مقامات پر نہیں کی۔

اسی طرح کفر کے ساتھ جب ''باء'' آتا ہے تو کفر و انکار کے معنی میں ہوتا ہے، اور براہ راست مفعول کی ضمیر آتی ہے تو ناشکری کرنے کا معنی ہوتا ہے۔

☆ أَلا إِنَّ عَاداً كَفَرُواْ رَبَّهُم۔ (هود: ۶۰)

☆ أَلَا إِنَّ ثَمُودَ كَفَرُواْ رَبَّهُمْ۔ (هود:۶۸)

مذکورہ دونوں آیتوں کا درست ترجمہ یہ ہے: ''سنو عاد نے اپنے رب کی ناشکری کی''، ''سنو ثمود نے اپنے رب کی ناشکری کی''۔ لیکن عام طور سے لوگوں نے کفر اور انکار کا ترجمہ کیا ہے۔ حالانکہ سورہ بقرہ میں وَاشْكُرُواْ لِي وَلاَ تَكْفُرُونِ۔ (البقرہ: ۱۵۲) کا ترجمہ میرے علم کی حد تک سارے مترجمین نے ''ناشکری نہ کرو''، یا ''کفران نعمت نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرو‘‘، کیا ہے۔

☆ وَلَا تَعۡزِمُواۡ عُقۡدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىَ يَبۡلُغَ الۡكِتَابُ أَجَلَه۔ (البقرہ: ۲۳۵)

بعض مترجمین نے مذکورہ ٹکڑے کا ترجمہ کیا: ’’اور عقد نکاح باندھنے کا فیصلہ نہ کرو‘‘، یا ’’عقد نکاح کا عزم نہ کرو‘‘۔

دراصل عزم کے ساتھ علی ہوتا تو یہ ترجمہ درست ہوسکتا تھا، لیکن یہاں علی مذکور نہیں ہے، اس لئے ترجمہ ہوگا: ’’عقد نکاح کو پختہ نہ کرو‘‘۔ یعنی نکاح کی گرہ نہ باندھو۔ شاہ عبدالقادر نے یہی ترجمہ کیا ہے: ’’اور نہ باندھو گرہ نکاح کی‘‘۔

(۸) بعض الفاظ انسانوں کے شایانِ شان ہوتے ہیں، لیکن اللہ کے لئے ان کا استعمال مناسب نہیں ہوتا ہے۔

اسی طرح کا ایک لفظ ’’کاش‘‘ ہے، جس کے لئے عربی میں ’’لو‘‘ آتا ہے۔

☆ لَبِئۡسَ مَا شَرَوۡاۡ بِهِ أَنفُسَهُمۡ لَوۡ كَانُواۡ يَعۡلَمُونَ۔ (البقرہ: ۱۰۲)

☆ وَلَوۡ أَنَّهُمۡ آمَنُواۡ واتَّقَوۡا لَمَثُوبَةٌ مِّنۡ عِندِ اللَّه خَيۡرٌ لَّوۡ كَانُواۡ يَعۡلَمُونَ۔ (البقرہ:۱۰۳)

☆ وَلَوۡ يَرَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُواۡ إِذۡ يَرَوۡنَ الۡعَذَابَ أَنَّ الۡقُوَّةَ لِلّهِ جَمِيۡعاً۔ (البقرہ: ۱۶۵)

مذکورہ تینوں مقامات اور ان جیسے دیگر مقامات پر بعض مترجمین نے ’’لو‘‘ کا ترجمہ ’’کاش‘‘ سے کیا ہے، ’’کاش‘‘ کا لفظ انسانوں کے لئے تو درست ہے، لیکن اللہ تعالی کے لئے اس لفظ کا استعمال مناسب نہیں ہے، اس کی جگہ (اگر کہیں) کہنا مناسب ہے۔ ’’کاش وہ جانتے‘‘ کے بجائے، ’’اگر کہیں وہ جانتے‘‘۔

(۹) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لفظ کے اندر تو ایک مفہوم کی گنجائش ہوتی ہے لیکن پورے جملہ کا مفہوم لفظ کے اس مفہوم کو اِبا کرتا ہے۔

☆ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ إِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَخۡشَوۡنَ النَّاسَ كَخَشۡيَةِ اللّهِ أَوۡ أَشَدَّ خَشۡيَةً۔ (النساء:۷۷)

کچھ مترجمین نے اس کا ترجمہ کیا ہے: ’’اب جو انہیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو ان میں سے ایک فریق کا حال یہ ہے کہ لوگوں سے ایسا ڈر رہے ہیں جیسا کہ خدا سے ڈرنا چاہئے، یا اس سے بھی بڑھ کر‘‘۔

اس ترجمہ پر اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ اللہ سے جو ڈر مطلوب ہے کیا اس سے زیادہ کسی اور سے ڈرا جاسکتا ہے، ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے، اللہ تعالی سے جتنا ڈرنا چاہئے اس کی کوئی حد ہی نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس سے بھی بڑھ کر۔ یعنی اللہ سے جتنا ڈرنا چاہئے اس سے زیادہ کسی اور چیز سے ڈرا ہی نہیں جا سکتا ہے۔

درست ترجمہ یہ ہے کہ: ’’لوگوں سے ایسا ڈر رہے ہیں جیسا خدا سے ڈرتے ہیں یا کچھ اس سے بھی بڑھ کر‘‘۔

(۱۰) قرآن مجید میں ایجاز کے اسلوب کو اختیار کیا گیا ہے، کم الفاظ میں زیادہ مفہوم کی ادائیگی دراصل قرآن مجید کا ایک خوبصورت انداز ہے۔ کبھی اس اسلوب سے مترجم کی نگاہ چوک جاتی ہے۔

☆ يَا أَيُّهَا الَّذِيۡنَ آمَنُواۡ كُونُواۡ قَوَّامِيۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَاء لِلّهِ۔ (النساء: ۱۳۵)

متعدد مترجمین اس کا ترجمہ کرتے ہیں: ’’انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو‘‘۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دراصل اس آیت میں قوامین آیا ہے، اور شھداء آیا ہے، اس کے علاوہ بالقسط آیا ہے جو بیک وقت دونوں سے متعلق ہے، اور للّٰہ آیا ہے۔ وہ بھی دونوں سے متعلق ہے۔ اگر عبارت کو کھولا جائے تو یوں ہوگی: کُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ لِلّٰه شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ لِلّٰهِ۔ گویا اللہ کی خاطر انصاف کے علم بردار بنو اور اللہ کی خاطر انصاف کے گواہ بنو۔ یعنی دونوں ہی آیتوں میں للہ اور بالقسط دونوں الفاظ قوامین سے بھی متعلق ہیں اور شہداء سے بھی۔ قوامین سے مراد عملی کردار اور شہداء سے مراد قولی شہادت ہے۔ جبکہ مترجمین عام طور سے بالقسط کو صرف قوامین سے جوڑتے ہیں، اور لله کو صرف شهداء سے متعلق بناتے ہیں۔

درست ترجمہ یوں ہوگا: ''خدا واسطے انصاف کے علمبردار اور اس کے گواہ بنو''۔

☆ وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا۔ (الاعراف: ٨٦)

بعض مترجمین نے ترجمہ اس طرح کیا: ''اور ہر راستے پر یوں نہ بیٹھو کہ راہگیروں کو ڈراؤ اور اللہ کی راہ سے انہیں روکو جو اس پر ایمان لائے اور اس میں کجی چاہو''۔

درست ترجمہ: ''اور ہر راستے میں بیٹھ کر جو ایمان لائے انہیں دھمکیاں نہ دو اور اللہ کی راہ سے نہ روکو اس میں کجی کی خواہش کے ساتھ''۔

دراصل ''من آمن به'' دونوں افعال سے متعلق ہے، یعنی وہ دھمکیاں بھی اہل ایمان کو دیتے ہیں اور روکتے بھی اہل ایمان کو ہیں۔

شاہ عبدالقادر کا ترجمہ یوں ہے: ''اور مت بیٹھو ہر راہ پر ڈرکے، اور روکتے اللہ کی راہ سے، اس کو جو کوئی یقین لاوے اس پر، اور ڈھونڈتے اس میں عیب''۔ یہ ترجمہ عمدہ ہے، البتہ اس میں (ڈرکے) لگتا ہے کتابت کی غلطی ہے، ڈراتے ہوگا۔

(۱۱) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو افعال آتے ہیں اور اس کے بعد جار مجرور آتا ہے، اور وہ جار مجرور کس فعل سے متعلق ہے یہ طے کرنے میں چوک ہو جاتی ہے، اگر سیاق وسباق پر غور کریں اور نحو کے قواعد کو باریکی سے ملحوظ رکھیں تو درست ترجمہ تک رسائی ہوسکتی ہے۔

☆ إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَى وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ وَلَـكِن لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ أَمْراً كَانَ مَفْعُولاً لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَى مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ وَإِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ۔ (الانفال: ٤٢)

عام طور سے مترجمین نے آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے: ''تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ ہلاک ہو، اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ زندہ رہے''۔

جبکہ درست ترجمہ یہ ہے: ''تاکہ جو حجت سے (دلیل روشن کی رو سے) ہلاک ہو چکا ہے وہ ہلاک ہو جائے، اور جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حجت سے (دلیل روشن کی رو سے) زندہ رہنے کا مستحق ہے وہ زندہ رہے''۔

یعنی لِّیَهۡلِكَ مَنۡ هَلَكَ عَنۡ بَيِّنَةٍ میں عَنۡ بَيِّنَةٍ متعلق ہے هَلَكَ سے نہ کہ لِّیَهۡلِكَ سے جیسا کہ عام مترجمین نے لیا ہے۔

اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ عام ترجمہ کے لحاظ سے "هلك" اور "حي" کی جگہ فعل مضارع یعنی "يهلك" اور "يحيى" آتا۔ موقع ومحل سے بھی عام ترجمہ کی تائید نہیں ہوتی۔ کیونکہ حجت تو جنگ بدر سے پہلے تمام ہو چکی تھی۔ اب تو ہلاکت کے مستحقین کو ہلاکت سے دوچار ہونا تھا۔

(۱۲) ایک مشہور ترجمہ کے بالمقابل کبھی ایک غیر مشہور ترجمہ مفہوم کے لحاظ سے زیادہ مناسب لگتا ہے۔

☆ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوۡلُودٌ لَّهُ بِوَلَدِهِ۔ (البقرہ: ۲۳۳)

اس آیت کا ترجمہ عام طور سے لوگوں نے یہ کیا ہے کہ: ''نہ تو ماں کو اس وجہ سے تکلیف میں ڈالا جائے کہ بچہ اس کا ہے، اور نہ باپ ہی کو اس وجہ سے تنگ کیا جائے کہ بچہ اس کا ہے''۔

اس آیت کا ترجمہ شاہ عبدالقادر نے اس سے بالکل مختلف کیا ہے،: ''نہ ضرر چاہے ماں اپنی اولاد کا اور نہ لڑکے والا اپنی اولاد کا''۔

بالفاظ دیگر نہ تو ماں ایسا رویہ اختیار کرے کہ اس کے بچے کو نقصان پہنچے اور نہ ہی باپ ایسا رویہ اختیار کرے جو اس کے بچے کے لئے نقصان دہ ہو۔ یہ ترجمہ اس لئے بھی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ماں باپ میں بچہ کو لے کر جو تنازعات ہوتے ہیں ان کا راست نقصان اصل میں بچہ ہی کو پہنچتا ہے۔ والدین اپنی اپنی انا کے لئے اس قدر شدت اختیار کر لیتے ہیں کہ خود بچہ کا مفاد داؤں پر لگ جاتا ہے۔ بولدہ میں حرف ''باء'' سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ فعل ضار یضار کا صلہ ''باء'' آتا ہے۔ اگر علت کا مفہوم ہوتا جیسا کہ مذکورہ بالا ترجمہ میں ہے تو اس کے لئے ''لام'' آتا۔

☆ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ۔ (البقرہ: ۲۸۲)

اس ٹکڑے کا ترجمہ عام طور پر مترجمین نے یہ کیا ہے کہ: ''اور کاتب اور گواہ کو ستایا نہ جائے''۔ اس کا ایک اور ترجمہ ہوسکتا ہے، اور وہ یہ کہ ''کاتب اور گواہ نقصان نہ پہنچائیں''۔ احمد رضا خاں نے مشہور ترجمہ کے ساتھ اسے بھی ذکر کیا ہے۔ یہ ترجمہ زیادہ مناسب اس وجہ سے ہے کہ کاتب کو نقصان پہنچانے کی کوئی صورت عام طور سے نہیں بنتی، وہ تو قرض کے لین دین کے وقت کتابت کر کے اپنی راہ لیتا ہے، اس وقت کوئی اس سے ناراض بھی نہیں ہوتا ہے کہ اسے نقصان پہنچائے، اس کے برعکس کاتب لکھتے وقت اور شاہد گواہی دیتے وقت فریقین میں سے کسی کو بھی ناحق نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

☆ وَالۡوَزۡنُ يَوۡمَئِذٍ الۡحَقُّ فَمَن ثَقُلَتۡ مَوَازِينُهُ فَأُوۡلَـٰئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُونَ۔ (الاعراف: ۸)

عام طور سے مترجمین نے مذکورہ ٹکڑے کا ترجمہ اس طرح کیا: ''اس دن وزن دار صرف حق ہوگا''۔ یا ''اس دن وزن برحق اور یقینی ہے''۔ مفہوم اور زبان کے قواعد کی رو سے شاہ عبدالقادر کا ترجمہ درست ہے گو کہ وہ مشہور نہیں ہوسکا کہ: ''تول اس دن ٹھیک ہے''۔ یعنی اس دن صحیح صحیح تولا جائے گا، اور اس میں کوئی غلطی نہیں ہوگی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱۳) کسی آیت کا یا آیت کے جزء کا ایسا ترجمہ بھی اہل علم کے لیے قابل توجہ ہوسکتا ہے جو مترجمین میں سے کسی نے اب تک اختیار نہیں کیا۔

☆ فَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ۔ (الحج: ٤٥)

اس آیت کا ترجمہ طاہر القادری نے یوں کیا ہے: ''پھر کتنی ہی (ایسی) بستیاں ہیں جنھیں ہم نے ہلاک کر ڈالا اس حال میں کہ وہ ظالم تھیں پس وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں، اور (ان کی ہلاکت سے) کتنے کنویں بے کار (ہو گئے) اور کتنے مضبوط محل اجڑے پڑے (ہیں)'' عام طور سے مترجمین نے ایسا ہی ترجمہ کیا ہے۔

اس میں غور طلب حصہ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا ہے، ''خَاوِيَةٌ'' کے اصل معنی ویران اور خالی کے آتے ہیں، لیکن کسی نے بھی اس آیت میں اس کا ترجمہ ویران سے نہیں کیا بلکہ گری ہوئی اور ڈھی ہوئی ترجمہ کیا۔ حالانکہ قَصْرٍ مَّشِيدٍ سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ بہت سارے محل ہیں جو ویران تو ہیں مگر ڈھے اور گرے ہوئے نہیں ہیں۔

غالبا عَلَى عُرُوشِهَا کی وجہ سے مترجمین اس معنی کی طرف گئے، کیونکہ سورہ نمل کی آیت فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا۔ (٥٢) میں ''خَاوِيَةً'' کا ترجمہ بہت سارے مترجمین نے خالی ویران اور اجڑے ہوئے کیا ہے۔

مولانا امانت اللہ اصلاحی حفظہ اللہ نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''پھر کتنی ہی بستیاں ہیں جنھیں ہم نے ہلاک کر ڈالا اس حال میں کہ وہ ظالم تھیں پس وہ اپنی چھتوں کے برقرار رہتے ہوئے ویران پڑی ہیں''۔ خَاوِيَةٌ یعنی ویران اور عَلَى عُرُوشِهَا یعنی چھتوں کے ہوتے ہوئے۔

مذکورہ ذیل قرآنی آیتوں میں بھی خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا کا اسی طرح کا ترجمہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

☆ أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّى يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا۔ (البقرہ: ٢٥٩)

☆ وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلَى مَا أَنْفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا۔ (الکھف: ٤٢)

☆ فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا۔ (النمل: ٥٢)

(۱۴) لام برائے تعلیل اور لام برائے تبیین کے درمیان اشتباہ:

عربی زبان میں لام کے متعدد استعمالات ہیں، ان میں سے ایک استعمال علت کا ہے جیسے لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ قریش کے مانوس کئے جانے کی وجہ سے، اسی طرح ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ فعل یا دوسرے مشتقات فعلیہ کے عمل میں زور پیدا کرنے کے لئے (معمول اور خاص طور سے) مفعول بہ پر لام کا اضافہ کر دیتے ہیں، اس سے فعل اور مفعول بہ میں تعلق اور گہرا ہو کر ظاہر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر شكرتك اور نصحتك کا مطلب ہے میں نے تمہارا شکر ادا کیا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی۔ اسی کو لام کے اضافہ کے ساتھ شكرت لك (میں نے تمہارا شکریہ ادا کیا) اور نصحت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لک بھی کہتے ہیں۔مولانا امانت اللہ اصلاحی کے مطابق جب نصحت لک کہیں گےتو مطلب ہوگا: میں نے عملاً تمہاری خیرخواہی کی،اور جب نصحتك کہیں گےتو ترجمہ ہوگا:میں نےتمہاری خیرخواہی کی بات کہی۔گویالام کےاضافے سے خودفعل کےمفہوم میں بھی اس طرح کی تبدیلیاں ہوجاتی ہیں جن سے واقفیت کے لئے عربیت کا ذوق ہونا ضروری ہے۔اس لام کوابن ہشام نےمغنی اللبیب میں خاص طور سےذکر کیا ہےاوراسےلام تبیین کا نام دیا ہے۔

قرآن مجید میں اس کی مثالیں بہت ہیں،مثال کےطور پر ذیل کی دوآیتیں ملاحظہ ہوں:

إِنَّ الَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ لاَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُون۔(الاعراف:۲۰۶)

فَإِنِ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُون (فصلت:۳۸)

پہلی آیت میں یسبحونہ ہےاوردوسری آیت میں یسبحون له ہے۔دونوں کا مطلب ایک ہے،البتہ ایک جگہ لام کےاضافہ سےزیادہ زور پیدا ہوگیا۔

اس مقام پرمولانا امانت اللہ اصلاحی نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ تسبیح استکبار کی ضد ہےجیسا کہ مذکورہ آیتوں میں نمایاں ہے،جب بغیرلام کے ہوتو قولی تسبیح مراد ہوگی،اور لام کے ساتھ ہوتو تسبیح کےعملی مظاہر کی طرف اشارہ ہوگا،اسی لیے پہلی آیت میں عملی پہلوکواجاگرکرنے کے لیےسجود کا ذکر ہے۔

قرآن مجید میں اس اسلوب کا استعمال جگہ جگہ ملتا ہے جیسے:

(۱)فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُون۔(البقرۃ:۱۵۲)واضح رہے کہ شکر کےساتھ جب لام آتا ہےتو لام اس ذات پرداخل ہوتا ہےجس کا شکریہ ادا کیا جائےاور جس امر پرشکر کیا جائے وہ بطور مفعول ہوتا ہےجیسا کہ فرمایا کان سعیھم مشکورا۔(الاسراء:۱۹)اسی طرح کہتے ہیں شکر الله لك سعيك۔

(۲) وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔(البقرۃ:۳۰)

(۳) وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِين۔(الاعراف:۱۸۳)

یہ لام کبھی مفعول پرداخل ہوتا ہےجیسا کہ اوپر کی مثالوں میں ہے،اور کبھی مفعول کا تعلق جس سے ہوتا ہےاس کی ضمیر پرداخل کرتے ہیں۔جیسے ساقطع رقبتك میں تیری گردن کاٹ دوں گا،اور ساقطع لك رقبتك میں تیری گردن کاٹ ڈالوں گا،دونوں کا مفہوم ایک ہےالبتہ دوسرے جملے میں مخاطب جس کی گردن کی بات ہورہی ہےاس کی ضمیرلاکر اس پرلام لگادیا گیا،اوراس طرح کلام میں زور پیدا ہوگیا،یہاں لك کا مطلب تمہارے لئے اگرلیں گےتو ایک مہمل سی بات ہوگی،اس لئے کہ یہاں علت کا محل نہیں بلکہ تاکید کا محل ہے۔البتہ ایسی صورت میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ اس لام تبیین اورلام تعلیل میں مترجمین فرق نہیں کرتے،اور جہاں لام تبیین وتاکید کے لئے ہےوہاں بھی علت کا ترجمہ کردیا جاتا ہے۔

زیرنظر اسلوب کی کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُم۔(الاحزاب:۷۱)

یہاں مفعول یہ تو اعمال اور ذنوب ہیں لیکن لام تبیین مخاطب کی ضمیر پرداخل کیا ہے،کہ وہ اعمال اور وہ ذنوب اسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مخاطب سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعض مترجمین جیسے فتح محمد جالندھری کا ترجمہ درست ہے:

''وہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔''

احمد رضا خاں کا ترجمہ ہے:

''تمہارے اعمال تمہارے لیے سنوار دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔''

مترجم نے پہلا لام تو علت کا مانا مگر دوسرا لام تبیین کا مان لیا۔

طاہر القادری کا ترجمہ ہے:

''وہ تمہارے لئے تمہارے (سارے) اعمال درست فرما دے گا اور تمہارے گناہ تمہارے لئے بخش دے گا۔''

یہاں مترجم نے دونوں کو لام تعلیل مانا ہے۔

(۲) إِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحاً مُّبِيناً۔ (الفتح:۱)

لام تبیین کے لحاظ سے ترجمہ ہوگا:

''بے شک ہم نے تم کو ایک کھلی ہوئی فتح عطا کر دی۔''

جن لوگوں نے لام کو علت مانا ہے وہ ترجمہ کچھ یوں کرتے ہیں:

''بے شک ہم نے تمہارے لئے کھلی ہوئی فتح عطا کی۔''

(۳) وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِينَهُمُ الَّذِیۡ ارۡتَضَی لَهُمۡ۔ (النور:۵۵)

فتح محمد جالندھری کا ترجمہ درست ہے:

''اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا۔''

جبکہ سید مودودی، امین احسن اصلاحی اور دوسرے مترجمین نے لام کو برائے علت مان کر ترجمہ کیا:

''اُن کے لیے اُن کے اُس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں پسند کیا ہے۔''

(۴) وَأَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّيَّتِیۡ۔ (الاحقاف:۱۵)

یہاں فتح محمد جالندھری نے لام کو علت مان کر ترجمہ یوں کیا:

''اور میرے لئے میری اولاد میں صلاح (وتقویٰ) دے۔''

جبکہ محمد جوناگڑھی نے درست ترجمہ کیا:

''اور تو میری اولاد بھی صالح بنا۔''

(۵) يَوۡمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنۡ أَذِنَ لَهُ الرَّحۡمَنُ وَرَضِیَ لَهُ قَوۡلاً۔ (طہ:۱۰۹)

عام طور سے مترجمین نے یہاں علت کا ترجمہ نہیں کیا ہے، احمد رضا خاں نے جو عام طور سے ایسے لام کا ترجمہ علت کے لحاظ سے کرتے ہیں یہاں تبیین کے لحاظ سے ترجمہ کیا ہے:

''اس دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی، مگر اس کی جسے رحمٰن نے اذن دے دیا ہے اور اس کی بات پسند فرمائی۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جبکہ امین احسن اصلاحی نے یہاں علت کے لحاظ سے ترجمہ کیا ہے:

''اور جس کے لئے کوئی بات کہنے کو پسند کرے۔''

(۶) قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِی۔ وَیَسِّرْ لِیْ أَمْرِی۔ (طہٰ:۲۵۔۲۶)

''عرض کیا: پروردگار، میرا سینہ کھول دے، اور میرے کام کو میرے لیے آسان کردے۔'' (سید مودودی: پہلا لام تبیین، دوسرا لام تعلیل)

''اس نے دعا کی اے میرے رب، میرے سینے کو میرے لئے کھول دے اور میری مہم کو آسان کر۔'' (امین احسن اصلاحی: پہلا لام تعلیل دوسرا لام تبیین)

''کہا میرے پروردگار میرا سینہ کھول دے، اور میرا کام آسان کردے۔'' (فتح محمد جالندھری: دونوں لام تبیین)

''عرض کی اے میرے رب میرے لیے میرا سینہ کھول دے، اور میرے لیے میرا کام آسان کر۔'' (احمد رضا خان: دونوں لام تعلیل)

(۷) أَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ۔ اور ورفعنا لك ذكرك۔ (الم نشرح)

ان دونوں آیتوں کے ترجمے میں بھی مترجمین کا ملا جلا رویہ رہا ہے۔

سرسری جائزہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عام طور سے مترجمین نے اس سلسلے میں کسی ایک استعمال کی پابندی نہیں کی، بلکہ ایک ہی مترجم بسا اوقات ایک ہی سیاق میں کہیں ایک استعمال کو اختیار کرتا ہے تو کہیں دوسرے استعمال کو۔ بہرحال صحیح بات یہ ہے کہ مذکورہ تمام مثالوں میں لام برائے تبیین و تاکید ہے نہ کہ برائے تعلیل۔

لام تبیین اور لام تعلیل کے درمیان اشتباہ کا امکان اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ ابن عاشور نے جو قرآنی اسالیب پر اپنے وقت کے امام مانے جاتے ہیں، دوسری کئی آیتوں میں لام تبیین کا ذکر کرتے ہوئے أَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ کا بار بار حوالہ دیا، اور کہا کہ جیسے وہاں لام برائے تبیین ہے ویسے ہی یہاں ہے۔ لیکن جب وہ خود أَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ کی تفسیر لکھنے چلے تو وہ سارے حوالے فراموش کردیئے اور کہا کہ یہاں لام برائے تعلیل ہے۔

مذکورہ مثالوں میں لام کو برائے تبیین و تاکید مان لینے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ ترجمہ میں اس تاکید کا اظہار کیسے کیا جائے۔ مولانا امانت اللہ اصلاحی ایسی تمام مثالوں میں حسب گنجائش فعل کو تاکید کے صیغے میں استعمال کرنے کی تجویز دیتے ہیں، جیسے کیا کے بجائے کردیا، اور کر کے بجائے کردے۔ جیسے وَیَسِّرْ لِیْ أَمْرِی کا ترجمہ: "اور میری مہم کو آسان کر" کے بجائے "اور میری مہم کو آسان کردے" کیا جائے گا۔ اسی طرح یُصْلِحْ لَکُمْ أَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوبَکُمْ۔ (الاحزاب:۷۱) میں فتح محمد جالندھری کا ترجمہ ہے: وہ تمہارے اعمال درست کردے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ جبکہ امین احسن اصلاحی کا ترجمہ ہے: اللہ تمہارے اعمال سدھارے گا اور تمہارے گناہوں کو بخشے گا۔ اول الذکر نے بجا طور پر فعل میں تاکید کا اضافہ کیا ہے۔ جبکہ موخر الذکر نے لام کی رعایت کی ہی نہیں نہ بطور تعلیل نہ بطور تاکید۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱۵) لام برائے ظرف اور لام برائے تعلیل کے درمیان اشتباہ:

لام کبھی فی کے معنی میں بھی آتا ہے، موقعہ کے لحاظ سے لام برائے ظرف اور لام برائے علت میں فرق کرنا ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر مندرجہ ذیل دو آیتیں ملاحظہ ہوں:

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَى لِمِيْقَاتِنَا۔ (الاعراف:۱۴۳) اور جب موسی ہماری مقررہ مدت پر حاضر ہوا۔ (امین احسن اصلاحی)

وَاخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ سَبْعِيْنَ رَجُلاً لِّمِيْقَاتِنَا۔ (الاعراف:۱۵۵) اور موسی نے اپنی قوم کے ستر آدمی چنے، ہمارے وقت مقرر کے لئے۔ (امین احسن اصلاحی)

دونوں آیتوں میں میقاتنا سے پہلے لام ہے، مگر موقعہ کلام سے معلوم ہو رہا ہے کہ پہلی آیت میں لام بمعنی فی ہے، جبکہ دوسری آیت میں لام برائے تعلیل ہے۔ اس لام کو بعض لوگ عند کے معنی میں لے کر لام توقیت کا بھی نام دیتے ہیں۔ لام ظرف یا توقیت کے ترجمہ میں ہمیشہ میں (فی) کا آنا ضروری نہیں جیسا کہ مثال سے ظاہر ہے۔

مذکورہ لام کے سلسلے میں بھی مترجمین کو کبھی کبھی اشتباہ ہو جاتا ہے اور وہ لام توقیت کو لام برائے علت سمجھ کر ترجمہ کر دیتے ہیں۔ کچھ مثالیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) أَلَا يَظُنُّ أُولَئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ۔ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ۔ (المطففین:۴۔۵)

اس آیت میں بعض مترجمین نے لام کو برائے تعلیل سمجھ کر ترجمہ اس طرح کیا ہے:

کیا ان لوگوں کو گمان نہیں کہ انہیں اٹھنا ہے، ایک عظمت والے دن کے لیے (احمد رضا خان)

کیا انہیں اپنے مرنے کے بعد جی اٹھنے کا خیال نہیں اس عظیم دن کے لئے (محمد جونا گڑھی)

لیکن یہاں لام برائے توقیت ہے۔ درست ترجمہ یوں ہے:

کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ایک بڑے دن، یہ اٹھا کر لائے جانے والے ہیں؟ (سید مودودی)

(۲) فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ۔ (الشعراء:۳۸)

تو ساحر ایک معین دن کے مقررہ وقت کے لئے جمع کئے گئے (امین احسن اصلاحی) کے بجائے، درست ترجمہ یوں ہوگا: تو ساحر ایک معین دن کے مقررہ وقت پر جمع کیے گئے۔ (امانت اللہ اصلاحی)

(۳) يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذَلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ۔ (التغابن:۹)

جب وہ اکٹھے کئے جانے کے دن کے لئے تم کو اکٹھا کرے گا (امین احسن اصلاحی) کے بجائے، درست ترجمہ یوں ہوگا: جب وہ اکٹھے کئے جانے کے دن تم کو اکٹھا کرے گا۔ (حافظ نذر احمد)

(۴) ذَلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاس۔ (ہود:۱۰۳)

وہ ایک ایسا دن ہوگا جس کے لیے سارے ہی لوگ اکٹھے کئے جائیں گے (امین احسن اصلاحی) کے بجائے درست ترجمہ یہ ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ ایک ایسا دن ہوگا جس دن سارے ہی لوگ اکٹھے کیے جائیں گے۔(حافظ نذر احمد)

(۵) لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ۔ (الاعراف:۱۸۷)وہی اس کے وقت پر اس کو ظاہر کرے گا۔(امین احسن اصلاحی)اس آیت میں میرے علم کی حد تک سارے مترجمین نے لام توقیت کا ترجمہ کیا ہے۔

(۶) إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاء فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِن (الطلاق:۱)جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو اُنہیں اُن کی عدت کے لیے طلاق دیا کرو۔(سید مودودی) کے بجائے درست ترجمہ ہوگا: جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت پر انہیں طلاق دو۔(احمد رضا خان)

سرسری جائزہ سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ حافظ نذر احمد کے ترجمہ میں لام بمعنی فی کی تقریبا ہر جگہ رعایت کی گئی ہے۔ باقی ترجموں میں صورتحال یہ ہے کہ کسی مقام پر اس کی رعایت ہوسکی تو کسی مقام پر رعایت نہیں ہوسکی۔

(۷) أَقِمِ الصَّلاَةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ۔ (الاسراء:۷۸)

اس آیت کا ترجمہ عام طور سے مترجمین نے اس طرح کیا ہے کہ: نماز قائم کرو زوال آفتاب سے لے کر اندھیرے تک۔(سید مودودی)

مولانا امانت اللہ اصلاحی کا خیال ہے کہ یہاں بھی لام فی کے ہم معنی ہے، ترجمہ ہوگا: نماز قائم کرو سورج کے ڈھلنے پر (یا زوال آفتاب کے اوقات میں)، شب کے تاریک ہونے تک۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ لام سے کا مفہوم ادا کرنے کے لئے نہیں آتا ہے۔ ابن عاشور لکھتے ہیں: واللام فی (لِدُلُوكِ الشَّمسِ) لام التوقيت وهي بمعنى(عند).

(۱۶) باء برائے ملابست اور باء برائے سببیت کے درمیان اشتباہ

جس طرح لام کے متعدد استعمالات ہیں اسی طرح باء کے بھی کئی استعمالات ہیں، ترجمہ میں ان کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ سورۃ الشمس کی مندرجہ ذیل آیت کے ترجمہ کے بارے میں مولانا امانت اللہ اصلاحی کا نقطہ نظر بہت اہم ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا۔ (الشمس:۱۱) کا ترجمہ کرتے ہوئے عام طور سے مترجمین نے باء کو برائے سببیت مانا ہے اور ترجمہ اس طرح کیا ہے: ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر جھٹلایا (سید مودودی)۔ بعض لوگوں نے باء استعانت کے لحاظ سے ترجمہ کیا جو یوں ہے: ثمود نے اپنی سرکشی سے جھٹلایا (احمد رضا خان)۔ باء استعانت جیسے کتبت بالقلم، میں نے قلم سے لکھا۔ عربی تفاسیر میں بھی عام طور سے یہی دو اقوال ہیں، بعض نے باء تعدیہ کا قول بھی ذکر کیا ہے۔

مولانا امانت اللہ اصلاحی کا خیال ہے کہ یہاں باء برائے ملابست یا برائے مصاحبت ہے۔ اس کے لحاظ سے ترجمہ ہوگا: ثمود نے سرکشی کرتے ہوئے جھٹلایا، یا جھٹلانے کے ساتھ ساتھ سرکشی دکھائی۔ واضح ہو کہ باء برائے ملابست ماننے کی صورت میں آیت کے دونوں معنی ہوسکتے ہیں، تکذیب کے ساتھ سرکشی کی یا سرکشی کے ساتھ تکذیب کی، مگر چونکہ آگے سرکشی کی وضاحت آرہی ہے، اس لیے زیادہ موزوں ترجمہ ہوگا، تکذیب کے ساتھ ساتھ سرکشی کی۔ آگے کی ایک آیت میں فکذبوہ فعقروھا کہا گیا جس میں تکذیب کا بھی ذکر ہوگیا اور سرکشی یعنی عقر ناقہ کا بھی ذکر ہوگیا۔

اس کی نظیریں قرآن مجید میں بہت واضح طور سے موجود ہیں جیسے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) يَوۡمَ يَدۡعُوكُمۡ فَتَسۡتَجِيبُونَ بِحَمۡدِهٖ۔ (الاسراء:۵۲)

جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے چلے آؤ گے (احمد رضا خان) جس دن وہ تمہیں بلائے گا تم اس کی تعریف کرتے ہوئے تعمیل ارشاد کرو گے (محمد جونا گڑھی)۔

(۲) وَإِن مِّن شَيۡءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ۔ (الاسراء:۴۴) کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے۔(فتح محمد جالندھری)

(۳) وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِهٖ۔ (الفرقان:۵۸) اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو (سید مودودی)

مذکورہ تینوں مثالوں میں عام طور سے مترجمین ومفسرین نے بحمدہ کی باء کو برائے ملابست یا مصاحبت مانا ہے۔اور اسی لحاظ سے ترجمہ کیا ہے۔لیکن حیرت کی بات ہے کہ سورۃ الشمس کی آیت مذکورہ میں لوگوں کا ذہن ادھر نہیں گیا، حالانکہ سورہ الشمس والی آیت ٹھیک اسی اسلوب پر آئی ہے۔سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۶۶/ میں انزلہ بعلمہ میں بھی باء مصاحبت کی ہے، نہ کہ استعانت کی۔ترجمہ ہوگا: اس نے اس کو اپنے علم کے ساتھ نازل کیا ہے (امین احسن اصلاحی) نہ کہ: اسے اپنے علم سے اتارا ہے۔(محمد جونا گڑھی)

(۱۷) ثم بالفتح اور ثم بالضم کے درمیان اشتباہ

ثُمَّ جب ضمہ کے ساتھ ہو تو حرف عطف ہوتا ہے اور اس میں حسب موقع پھر یا بھی یا پھر بھی کا مفہوم ہوتا ہے۔جبکہ ثَمَّ جب فتحہ کے ساتھ ہو تو اشارہ مکان کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کا ترجمہ وہاں سے کیا جاتا ہے۔

ثَـمَّ فتحہ کے ساتھ قرآن مجید میں چار مقامات پر آیا ہے، تین مقامات پر تو سبھی مترجمین نے وہاں کا ترجمہ کیا ہے، لیکن چوتھے مقام پر محسوس ہوتا ہے کہ کئی مترجمین کو اشتباہ ہوگیا۔وہ مقام ہے: مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ۔ (التکویر:۲۱)

اس کا ترجمہ مترجمین نے یوں کیا ہے:

(۱) سردار (اور) امانت دار ہے (فتح محمد جالندھری، ثَمَّ کا ترجمہ نہیں کیا)۔

(۲) (تمام جہانوں کے لئے) واجب الاطاعت ہیں (کیونکہ ان کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے)، امانت دار ہیں (وحی اور زمین وآسمان کے سب اُلوہی رازوں کے حامل ہیں)۔(طاہر القادری، قابل غور بات یہ ہے کہ غیر ضروری طور پر قوسین کے ذریعہ موصوف اپنے فکری مسلک کی تبلیغ میں ایسا مصروف ہوئے کہ لفظ ثَمَّ کا ترجمہ ہی نہیں کیا)۔

(۳) وہ وہاں قابل اطاعت اور پھر امانت دار ہے (جوادی، ثَمَّ کا ترجمہ دو بار کیا، پہلا صحیح دوسرا غلط)

(۴) جس کی (آسمانوں میں) اطاعت کی جاتی ہے امین ہے (محمد جونا گڑھی، ثَـمَّ کا لفظی ترجمہ نہیں کیا، بلکہ قوسین میں اس کی تشریح کی ہے آسمانوں میں کہہ کر)۔

(۵) (وہاں) اس کا حکم مانا جاتا ہے اور پھر وہ امانتدار (بھی) ہے۔(محمد حسین نجفی، ثَـمَّ کا ترجمہ دو بار کیا۔پہلا قوسین میں جو صحیح ہے، دوسرا متن کے اندر جو غلط ہے)۔

اس کی بات مانی جاتی ہے اور وہ نہایت امین بھی ہے۔(امین احسن اصلاحی، ثَمَّ کا ترجمہ غلط کیا)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیت مذکورہ پر گفتگو کرتے ہوئے ثَـمَّ (زبر کے ساتھ) کے بارے میں صاحب تدبر قرآن لکھتے ہیں: ''صفت سے پہلے جب یہ آتا ہے تو اس کی عظمت واہمیت کو نمایاں کرنے کے لئے آتا ہے، یہاں یہ صفت امین سے پہلے آیا ہے تو اس سے مقصود حضرت جبریل علیہ السلام کی اس صفت کی طرف خاص طور پر توجہ دلانا ہے۔یعنی مذکورہ صفات کے ساتھ ان کی خاص اہمیت رکھنے والی یا خاص طور پر ذکر کے لائق صفت یہ بھی ہے کہ وہ نہایت امانت دار ہیں''۔(تدبر قرآن)

صاحب تدبر کا مذکورہ بیان بالکل درست ہے مگر وہ ثَـمَّ (زبر کے ساتھ) پر صادق نہیں آتا ہے بلکہ ثُـمَّ (پیش کے ساتھ) پر صادق آتا ہے، جبکہ آیت میں اول الذکر استعمال ہوا ہے۔ یہاں ثَـمَّ کا ترجمہ وہاں سے کیا جائے گا، البتہ چونکہ ایک صفت کے بعد دوسری صفت بغیر حرف عطف کے آئی ہے، اس کا اظہار ''اور'' سے بھی کر سکتے ہیں، اور ''بھی'' سے بھی کر سکتے ہیں۔ درست ترجمہ یوں ہوگا: وہاں اُس کا حکم مانا جاتا ہے، وہ با اعتماد ہے۔ (سید مودودی) وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے، امانت دار ہے۔ (احمد رضا خان) یہاں یہ بھی واضح رہے کہ ثَـمَّ کا تعلق بعد کی صفت امین سے نہیں بلکہ سابق صفت مطاع سے ہے۔

(۱۸) خسف به الارض کا مطلب

اگر کوئی جگہ زمین میں اندر جا دھنسے تو کہتے ہیں: خسف المکان، تاہم خسف متعدی بھی استعمال ہوتا ہے اور خسف بـه الارض کا مطلب ہوتا ہے اس کو زمین میں دھنسا دیا۔ اس ترکیب میں دو مفعول ہوتے ہیں ایک پر باء لگی ہوتی ہے اور دوسرا منصوب ہوتا ہے، کیونکہ فعل کا اثر دو چیزوں پر ہوتا ہے۔ ایک تو زمین پر کہ اس میں شگاف کیا جائے اور دوسرا اس چیز پر کہ اس کو اس شگاف میں دھنسا کر غائب کر دیا جائے۔ فیروز آبادی کے الفاظ میں و(خسف) الـله بفُلان الارضَ: غيَّبه فيها۔ قرآن مجید میں یہ لفظ اسی طرح کی ترکیب کے ساتھ کئی مقامات پر آیا ہے، اور عام طور سے مترجمین نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے، جیسے:

(۱) أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُواْ السَّيِّئَاتِ أَن يَخْسِفَ اللّهُ بِهِمُ الأَرْضَ۔ (النحل:۴۵)

کیا جو لوگ بری بری چالیں چلتے ہیں اس بات سے بے خوف ہیں کہ خدا ان کو زمین میں دھنسا دے۔ (فتح محمد جالندھری)

(۲) فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ۔ (القصص:۸۱) آخر کار ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دَھنسا دیا۔ (سید مودودی)

البتہ یہاں اور ایسے اکثر مقامات پر صاحب تدبر قرآن نے ایک دوسری راہ نکالی ہے، انہوں نے فعل کے بعد آنے والی باء کو مصاحبت کا مان کر پہلی آیت کا ترجمہ اس طرح کیا: اللہ ان کے سمیت زمین کو دھنسا دے۔ اور دوسری آیت کا ترجمہ اس طرح کیا: پس ہم نے اس کے اور اس کے گھر سمیت زمین کو دھنسا دیا۔

لیکن صحیح ترجمہ وہی ہے جو عام مترجمین نے اختیار کیا، کیوں کہ خسف کے اس عمل میں زمین نہیں دھنستی ہے، بلکہ زمین پھٹتی ہے اور جو چیز اس میں جا کر سما جاتی ہے وہ دھنستی ہے، زمین تو پھٹنے کے بعد دوبارہ برابر ہو جاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توجہ طلب بات یہ ہے کہ اسی آیت میں لَوْلَا أَن مَّنَّ اللّٰہُ عَلَیْنَا لَخَسَفَ بِنَا (القصص:۸۲) کا ترجمہ صاحب تدبر نے عام مترجمین کے طرز پر یوں کیا: اگر اللہ کا ہم پر فضل نہ ہوا ہوتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا۔

دیکھنے کی چیز یہ بھی ہے کہ صاحب تدبر نے سورہ سبا آیت نمبر ۹، سورہ اسراء آیت نمبر ۶۸/ اور سورہ ملک آیت نمبر ۱۶/ میں ترجمہ عام مترجمین سے ہٹ کر اپنے انداز سے کیا ہے، لیکن سورہ عنکبوت میں وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ۔ (العنکبوت:۴۰) کا ترجمہ کرتے ہوئے عام مترجمین کے انداز کو اختیار کر لیا اور یوں ترجمہ کیا: اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا۔

ابن عاشور نے بھی کہیں کہیں یہی راہ اختیار کی ہے:

سورہ ملک والی آیت پر گفتگو کرتے ہوئے باء کو مصاحبت کا بتاتے ہیں: والباء في قوله: (بكم) للمصاحبة، أي يخسف الارض مصاحبة لذواتكم۔

جبکہ سورہ نحل والی آیت میں باء کو برائے تعدیہ قرار دیتے ہیں:

وخسف من باب ضرب . ويستعمل قاصرا ومتعديا . يقال: خسفت الارض، ويقال: خسف الله الارض، قال تعالى: (فَخَسَفنَا بِهِ وَبِدَارِه الارضَ) (القصص:۸۱)، ولا يتعدى الى ما زاد على المفعول الا بحرف التعدية، والاكثر ان يعدى بالباء كما هنا وقوله تعالى: (فَخَسَفنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الاَرض)، أي جعلناها خاسفة به، فالباء للتعدية، كما يقال: ذهب به۔

(۱۹) مہین کا موزوں ترجمہ

مہین کا لفظ قرآن مجید میں چار مقامات پر آیا ہے۔ اس کا ترجمہ مترجمین کے یہاں کہیں حقیر اور ذلیل جیسے الفاظ سے ملتا ہے اور کہیں معمولی، بے وقعت اور بے قیمت کے الفاظ سے۔ لغت کے لحاظ سے حقیر اور ذلیل جیسا مفہوم اس لفظ کے اندر نہیں ہے بلکہ معمولی اور بے وقعت ہی درست مفہوم ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ اردو میں حقیر اور ذلیل جیسے الفاظ معمولی اور بے قیمت کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں، لیکن پھر بھی غالب اور عام استعمال کے لحاظ سے دونوں طرح کے لفظوں میں ایک بڑا فرق محسوس ہوتا ہے۔ اس فرق کی رعایت ترجمہ میں کرنا ضروری ہے۔ ابن عاشور نے مہین کی توضیح اس طرح کی ہے، والمهين: الشيء الممتهن الذى لايعبأ به۔ ایسی بے وقعت چیز جو کسی کی توجہ کی سزاوار نہ بنے۔ یہ بات بھی سامنے رہنا چاہئے کہ عربی میں حقیر اصلا چھوٹے اور معمولی کے ہم معنی ہوتا ہے، جبکہ اردو میں آکر وہ ذلیل سے قریب ہو گیا ہے۔ اسی لئے عربی کی تفسیروں میں جہاں مہین کا مفہوم حقیر سے بیان کیا گیا ہے تو وہاں معمولی اور بے قیمت کا مفہوم ہے، وہ آیتیں جن میں مہین کا لفظ آیا ہے حسب ذیل ہیں:

(۱) ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِن سُلَالَةٍ مِّن مَّاء مَّهِينٍ۔ (السجدة:۸)

پھر اُس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے (سید مودودی)

پھر اس کی نسل ایک بے وقعت پانی کے نچوڑ سے چلائی (محمد جوناگڑھی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) أَلَمْ نَخْلُقكُّم مِّن مَّاء مَّهِينٍ۔ (المرسلات:۲۰)
کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا (محمد جونا گڑھی)
کیا ہم نے تمہیں ایک بے قدر پانی سے پیدا نہ فرمایا (احمد رضا خان)
کیا ہم نے تمہیں ایک ذلیل پانی سے نہیں پیدا کیا (احمد علی)

مذکورہ دونوں آیتوں میں اس پانی کا ذکر ہے جس سے انسان کی تخلیق کی گئی ہے، ظاہر ہے یہاں اس پانی کی تذلیل وتحقیر مقصود نہیں ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ وہ معمولی اور بے قیمت ہے۔ انسان جسے اللہ نے تکریم سے نوازا ہے، اور اس کی بہترین تخلیق کی ہے، اس کی تخلیق کا مادہ ذلیل وحقیر کیسے ہوسکتا ہے۔

(۳) أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ وَلَا يَكَادُ يُبِيْن۔ (الزخرف:۵۲)
یا میں بہتر ہوں اس سے کہ ذلیل ہے اور بات صاف کرتا معلوم نہیں ہوتا (احمد رضا خان)
بلکہ میں بہتر ہوں بہ نسبت اس کے جو بے توقیر ہے اور صاف بول بھی نہیں سکتا (محمد جونا گڑھی)

یہاں بھی فرعون کو یہ بتانا ہے کہ موسیٰ ایک عام سے آدمی ہیں، جن کے پاس کچھ نہیں ہے۔ ذلیل کا محل یہاں بھی نہیں ہے۔

(۴) وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ۔ (القلم:۱۰)
ہرگز نہ دبو کسی ایسے شخص سے جو بہت قسمیں کھانے والا بے وقعت آدمی ہے (سید مودودی)
اور کسی ایسے شخص کے کہے میں نہ آجانا جو بہت قسمیں کھانے والا ذلیل اوقات ہے (فتح محمد جالندھری)
اور ہر ایسے کی بات نہ سننا جو بڑا قسمیں کھانے والا ذلیل (احمد رضا خان)

مذکورہ آیت میں بھی اس شخص کے بے وقعت ہونے کا ذکر ہے، جسے اپنی بات کی تصدیق کے لئے بار بار قسمیں کھانے کی ضرورت پڑتی ہے۔

(۲۰) نکرہ کی معنویت کا اظہار

ایک لفظ کے معرفہ والے پہلو اور اس کے بالمقابل ایک دوسرے لفظ کے نکرہ والے پہلو کو اجاگر کرنا بھی مترجم کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ کیونکہ معانی کے کچھ گوہر آبدار اس پہلو میں بھی نہاں ہوتے ہیں۔ ذیل کی مثال سے یہ بات واضح ہوتی ہے:

إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً۔ (المنشرح:۶)
اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:
ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ (امین احسن اصلاحی)
تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے (سید مودودی)

مولانا امانت اللہ اصلاحی نے آیت کا ترجمہ اس طرح بتایا: ہر دشواری کے ساتھ کوئی نہ کوئی آسانی ہے۔ اس طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

العسر معرفہ کے ساتھ یسر کو نکرہ ذکر کرنے کی معنویت نمایاں ہوجاتی ہے،العسر کو معرفہ ذکر کرکے تمام دشواریوں کا احاطہ کیا تو یسر کو نکرہ ذکر کرکے دشواریوں سے نکلنے کے لامتناہی امکانات کی طرف اشارہ کردیا۔

(۲۱) باء بمعنی عن

قرآن مجید میں قیامت کے موقع پر آسمان کے پھٹ پڑنے کا ذکر کیا گیا ہے،اس کے لیے انفطار کا نیز انشقاق اور تشقق کا فعل استعمال کیا گیا ہے۔ انفطار اور انشقاق دونوں کا مطلب پھٹ جانا ہے۔اور اگر کسی چیز کے پھٹ جانے کے بعد اس کے اندر سے کوئی چیز ظاہر ہو تو اس پر عن لگاتے ہیں۔جیسے زمین سے کونپل نکلتی ہے تو اس کے لیے کہتے ہیں:انفطرت الارض عن النبات اورانشقت الارض عن النبات،یعنی زمین نے پھٹ کر پودے کو ظاہر کردیا۔قرآن مجید میں فعل تشقق کا عن کے ساتھ استعمال اسی مفہوم کو بیان کرتا ہے،قرآن کی ایک آیت ہے:

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعاً ذَلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ۔ (ق:44)

اس دن زمین ان پر سے پھٹ جائے گی اور وہ جھٹ پٹ نکل کھڑے ہوں گے۔(فتح محمد جالندھری)

عن سے جو مذکورہ مفہوم ادا ہوتا ہے اسے کبھی باء کے ذریعہ بھی ادا کیا جاتا ہے۔جیسے انفطرت الارض بالنبات اورانشقت الارض بالنبات۔البتہ مولانا امانت اللہ اصلاحی کے مطابق دونوں میں یہ فرق ہے کہ جس پر عن داخل ہو اس میں صرف نمودار ہونے کا مفہوم ہوتا ہے،جبکہ باء کے استعمال سے اس کے نکل کر باہر آجانے کا مفہوم پیدا ہوجاتا ہے۔لیکن لوگوں کا ذہن ایسے موقع پر عن والے مفہوم کے بجائے باء برائے سببیت کی طرف چلا جاتا ہے،یا کسی اور طرف۔

مثال(۱) فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْماً يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيباً۔ السَّمَاء مُنفَطِرٌ بِهِ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولاً۔ (المزمل:17۔18)

اگر تم ماننے سے انکار کرو گے تو اُس دن کیسے بچ جاؤ گے جو بچوں کو بوڑھا کردے گا،اور جس کی سختی سے آسمان پھٹا جارہا ہوگا؟ اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر ہی رہنا ہے۔(سید مودودی)

آسمان اس کے صدمے سے پھٹ جائے گا۔(احمد رضا خان)

آسمان اس کے بوجھ سے پھٹا پڑ رہا ہے۔(امین احسن اصلاحی)

(اور) جس سے آسمان پھٹ جائے گا۔(فتح محمد جالندھری)

آسمان پھٹ جائے گا اس دن میں۔(محمود حسن)

مولانا امانت اللہ اصلاحی نے آیت کا ترجمہ اس طرح کیا: آسمان پھٹ کر اس کو ظاہر کرنے والا ہے۔مطلب واضح ہے کہ آسمان پھٹے گا اور اس میں سے قیامت کے مناظر ظاہر ہوجائیں گے،جس طرح زمین میں شگاف ہوتا ہے اور پودا اس میں سے ظاہر ہوجاتا ہے۔اس مفہوم کو سمجھنے میں ذیل کی آیت بھی مدد کرتی ہے۔يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي لاَ يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلاَّ هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ لاَ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً۔ (الاعراف:187)

وہ تم سے قیامت کے باب میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ کہہ دو کہ اس کا علم تو بس میرے رب ہی کے پاس ہے وہی اس کے وقت پر اس کو ظاہر کرے گا۔ آسمان وزمین اس سے بوجھل ہیں، وہ تم پر بس اچانک ہی آدھمکے گی۔ (امین احسن اصلاحی)

مثال(۲) وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ۔ (الفرقان:25)

اس آیت میں بھی باءعن کے معنی میں ہے، مگر مترجمین نے مختلف دوسری توجیہات اختیار کی ہیں:

اور جس دن کہ آسمان ایک بدلی کے ساتھ پھٹے گا۔ (امین احسن اصلاحی، یہاں باء برائے ملابست کے لحاظ سے ترجمہ کیا گیا ہے۔)

اور جس دن پھٹ جائے گا آسمان بادلوں سے۔ (احمد رضا خان، یہاں باء برائے سببیت کے لحاظ سے ترجمہ کیا گیا ہے۔)

اور اس دن آسمان پھٹ کر بادل (کی طرح دھوئیں) میں بدل جائے گا۔ (طاہر القادری، غور طلب ہے، نہ جانے کس قاعدہ کی رو سے کیا گیا۔)

اور جس دن آسمان بادل سمیت پھٹ جائے گا۔ (محمد جوناگڑھی، یہاں بھی باء برائے ملابست کے لحاظ سے ترجمہ کیا گیا ہے، جسے بعض مفسرین نے اختیار کیا ہے، لیکن مترجم کے برعکس ان کے پیش نظر یہ تھا کہ اس وقت ایک خاص بادل کی موجودگی میں آسمان پھٹے گا، نہ یہ کہ آسمان کے ساتھ ساتھ بادل بھی پھٹ جائے گا، جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے۔)

اس آیت میں باء کو عن کے معنی میں لیں گے تو ترجمہ یہ ہوگا کہ ''اور جس دن آسمان پھٹ جائے گا اور اس میں سے ایک بادل نمودار ہوگا''، سید مودودی کا ترجمہ اسی تاویل کے مطابق ہے:

آسمان کو چیرتا ہوا ایک بادل اس روز نمودار ہوگا۔

اسی طرح اشرف علی تھانوی کا بھی: اور جس روز آسمان ایک بدلی پر سے پھٹ جائے گا۔

اس مفہوم کو سمجھنے کے لئے ذیل کی آیت سے مدد لی جاسکتی ہے: هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلآئِكَةُ۔ (البقرة:210)

کیا لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس خود اللہ تعالیٰ ابر کے سائبانوں میں آجائے اور فرشتے بھی۔ (محمد جوناگڑھی)

زمخشری کے الفاظ میں: والمعنى: أن السماء تنفتح بغمام يخرج منها، وفى الغمام الملائكة ينزلون وفى أيديهم صحائف أعمال العباد--- وفى معناه قوله تعالى هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلآئِكَةُ۔ (تفسیرالکشاف: 3/275)

(جاری)

© rasailojaraid.com